علم التعلیم

12

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

فہرست عنوانات

صفحہ	عنوانات	باب
1	برصغیر میں مسلمانوں کی تعلیم	پہلا باب
1	تعارف	
3	مکتب و مدارس	
3	جامعات	
4	مسلم مفکرین کی تعلیمی خدمات	
4	الغزالیؒ	
7	ابن خلدون	
11	ابن سینا	
13	علامہ زرنوجی	
15	مسلمانوں کی آمد کے وقت برصغیر کی تعلیمی حالت	
15	برصغیر میں نظام تعلیم کے نمایاں پہلوؤں کا جائزہ	
16	مقاصد تعلیم	
17	نصاب تعلیم	
19	تدریسی طریقے	
21	مانیٹوریل سسٹم	
21	جائزہ	
22	نظم و نسق	
27	جنوبی ایشیا میں برطانوی نظام تعلیم	دوسرا باب
27	تعارف	
28	ایسٹ انڈیا کمپنی کا آغاز	
29	چارٹر ایکٹ	
31	ووڈز ڈسپیچ	
32	سارجنٹ رپورٹ (1944)	
32	برصغیر میں برطانوی نظام تعلیم کی خصوصیات	
35	جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی تعلیمی تحریکات	

36	تحریک دیوبند	
36	تحریک دیوبند کے اسباب	
37	تحریک دیوبند کی خصوصیات	
38	تحریک دیوبند پر تبصرہ	
39	تحریک علی گڑھ	
40	تحریک علی گڑھ کے مقاصد	
40	سرسید احمد خان کی تعلیمی خدمات	
42	تحریک علی گڑھ کے اثرات	
48	پاکستان کی تعلیمی پالیسیاں اور منصوبے	تیسرا باب
48	نظریہ پاکستان کا تعلیمی مفہوم	
49	قومی تعلیمی پالیسیاں	
49	مقاصد تعلیم	
50	تعلیمی کانفرنس 1947ء	
51	تعلیمی کانفرنس سے وزیر تعلیم کا خطاب	
51	تعلیمی کمیٹیوں کا قیام	
53	قومی تعلیمی کمیشن 1959ء	
54	قومی تعلیمی پالیسی 1970ء	
55	قومی تعلیمی پالیسی 80-1972ء	
56	قومی تعلیمی پالیسی 1979ء	
58	قومی تعلیمی پالیسی 1992ء	
59	قومی تعلیمی پالیسی 2010-1998ء	
66	پاکستان کے تعلیمی مسائل	چوتھا باب
66	ناخواندگی	
67	پاکستان میں ناخواندگی کی وجوہات	
68	تعلیم نسواں	
69	تعلیم نسواں میں کمی کی وجوہات	
70	نظم وضبط کا فقدان	
71	تعلیمی اداروں کے نظم وضبط میں کمی کے اسباب	
72	آبادی میں اضافہ	

	اضافہ آبادی اور تعلیم	73
	معیار تعلیم	73
	کم داخلہ اور ترک مدرسہ	76
	پاکستان میں ترک مدرسہ کی وجوہات	77
	ترک مدرسہ پر قابو پانے کے اقدامات	79
	تعلیم کے بارے میں عمومی رویہ	80
	تعلیم میں سرمایہ کاری	82
	تعلیمی اداروں میں طبعی سہولیات کی صورت حال	83
	معاشی اور معاشرتی حالات	83
پانچواں باب	تعلیم کے فروغ کے لیے مختلف تنظیموں کا کردار	89
	تعلیمی انتظام وانصرام	89
	صوبائی محکمہ تعلیم	89
	ضلعی سطح پر تعلیمی نظام	91
	یونیورسٹیوں کی تعلیم	92
	نصاب اور تدریسی مواد	93
	شعبہ تدوین نصاب وفاقی وزارت تعلیم	94
	صوبائی بیورو تدوین نصاب	95
	ٹیکسٹ بک بورڈ	96
	سٹاف ڈویلپمنٹ	96
	کالجز آف ایجوکیشن	97
	گورنمنٹ کالجز برائے ایلیمنٹری ایجوکیشن	97
	پرائیویٹ تنظیمیں	98
	امتحانات	99
	دیہی ترقی تعلیم	100
	فرہنگ	106
	کتابیات	107

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؐ

پہلا باب

برصغیر میں مسلمانوں کی تعلیم

تعارف (Introduction)

انسانی تعلیم کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ہی ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجنے سے پہلے اُن کو اشیا کے استعمال کا علم سکھایا تھا۔ دوسرا علم انسان کو اس علمِ ہدایت کی صورت میں عطا کیا جس کا انتظام وحی کے ذریعہ کیا گیا۔ جوں جوں انسانوں کی تعداد بڑھتی گئی خاندان اور قبیلے وجود میں آتے گئے۔ علم اور تہذیبی روایات والدین سے اولاد کو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں۔ جہاں بھی معاشرے کی تہذیب وثقافت میں بگاڑ پیدا ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کی درست سمت میں رہنمائی کے لیے انبیا بھیجے جو معاشرے کو صحیح تعلیم سے آگاہ کرتے رہے۔ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن پر آخری وحی بھیج کر اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کر دیا۔ یہ علم قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ دین کی تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھانے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم کا ایک جامع نظام وضع کیا جس نے بعد میں مکتب اور مدرسہ کی شکل اختیار کی۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے مکتب اور مدرسہ کے ذریعہ تعلیم کو اس قدر ترقی دی کہ ایک طرف برصغیر پاک وہند اور وسط ایشیا میں علم کا نور پھیلا اور دوسری طرف افریقہ اور یورپ میں مسلمانوں کی قائم کردہ یونیورسٹیوں میں ان کا تیار کردہ نصاب تعلیم سولھویں صدی کے بعد بھی پڑھایا جاتا رہا۔

مکتب اور مدرسہ کا نظام تعلیم کیا تھا؟ اس باب میں یہ بھی دیکھنے کی کوشش کی جائے گی کہ برصغیر میں مسلمانوں نے کس قسم کا نظام تعلیم قائم کیا۔

مکتب و مدرسہ

غارِ حرا کی پہلی وحی میں انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم پڑھنے کا نازل فرمایا۔ اس پہلی وحی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے علم کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ اس حکم کی تعمیل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں کوہ صفا کی بلندی پر واقع حضرت ارقمؓ کے گھر سے صحابہ کرامؓ کو تعلیم دینے کی ابتدا کی۔ تعلیم زبانی تھی جو لوگ مسلمان ہوتے وہ چھپ چھپ کر اس گھر میں جمع ہوتے اور قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے۔ قرآن سکھانے کا اہتمام رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کرتے جتنا قرآن نازل ہوتا وہ صحابہ کرامؓ زبانی یاد کر لیتے اور کتابت جاننے والے جو صحابی اس وقت موجود ہوتے ان سے وہ قرآنی آیات لکھوائی جاتی تھیں۔ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کرائی جس میں ایک چبوترہ بنوایا گیا، عربی زبان میں اس کو صفہ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں صحابہ کرامؓ کو قرآن مجید اور دین کی تعلیم دیتے تھے۔

اسلامی تاریخ میں اس کو پہلے باقاعدہ مدرسے کی حیثیت حاصل ہے۔ مدینہ کے اردگرد سے صحابہ کرامؓ یہاں آتے کچھ روز قیام کرتے اور دین کی تعلیم حاصل کرتے اور پھر اپنے وطن لوٹ جاتے تھے اور وہاں لوگوں کی تعلیم شروع کر دیتے۔ اس لحاظ سے یہ اقامتی مدرسہ تھا۔ طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ ایک وقت میں یہاں ستر طلبہ کے قیام پذیر ہونے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ یہاں دوسرے صحابہ کرامؓ بھی تعلیمی فرائض سرانجام دیتے تھے۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ کو قاری کہتے تھے۔ جوں جوں اسلامی معاشرہ پھیلتا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ کی تعلیم وتربیت کے لیے مختلف علاقوں میں معلمین بھیجتے رہے۔ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر قبا میں ایک مسجد تھی وہاں بھی ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ اس کی نگرانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے اور کبھی کبھی وہاں تشریف بھی لے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نو (۹) دوسری مساجد کا بھی ذکر ملتا ہے جن میں ایسے مدارس قائم تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشاعت تعلیم میں اس قدر دلچسپی لی کہ تیئیس (۲۳) سال کی قلیل مدت میں عرب کے ملک میں ایک تعلیمی انقلاب برپا کر دیا۔ بعض مؤرخین کے مطابق ملک کی نصف سے زیادہ آبادی خواندہ ہوگئی۔

عہد نبوی میں صوبائی گورنروں کے فرائض منصبی میں یہ بات شامل کر دی گئی کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کے لوگوں کی تعلیمی ضرورتوں کا خیال رکھیں۔ جوں جوں مختلف علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوتے گئے مساجد کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ ہر گاؤں اور ہر محلے میں مسجد تعمیر ہوئی اور ہر مسجد اس آبادی کا مکتب اور مدرسہ بھی تھی۔ ان مساجد میں ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم کے مضامین تک پڑھائے جاتے تھے جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، لغت، ہیئت، ریاضی، منطق، علم الکلام اور طب وغیرہ کے علاوہ کسی خاص پیشہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ یہ مدارج تعلیم اور نصاب مساجد میں قائم درسگاہوں کی حیثیت کا تعین کرتے تھے۔

خلفائے راشدین نے علم وہدایت کے فروغ کو جاری رکھا۔ حضرت عمر فاروق ؓ کو تعلیم میں باقاعدگی پیدا کرنے کا اس قدر خیال تھا کہ انھوں نے علما اور اساتذہ کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر فرمائیں۔ مساجد کی تعداد میں اضافہ توسیع تعلیم میں بہت مددگار ثابت ہوا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ہر مسجد میں مدرسہ قائم کرنے کی زبردست مہم چلائی جس سے تعلیم عام ہوگئی۔ دمشق، قاہرہ اور بغداد اپنے دَور کی عظیم درسگاہیں تھیں۔ ابتدا میں مکتب اور مدرسہ کی کوئی علیحدہ عمارت نہ تھی۔ مسجد جو ایک کثیر المقاصد ادارہ تھی مکتب اور مدرسے کے طور پر بھی استعمال کی جاتی تھی۔ معلم کا اپنا گھر یا کوئی عمارت بھی اس مقصد کے لیے استعمال میں لائی جاتی تھی۔

سلجوقی دَور میں مسلمانوں کے قائم کردہ نظام تعلیم میں زبردست تبدیلی یہ پیدا ہوئی کہ مدارس کی عمارتیں مسجد سے الگ تعمیر ہونے لگیں۔ الپ ارسلان کے وزیر نظام الملک نے اس قسم کا پہلا مدرسہ بغداد میں قائم کیا جو نظامیہ بغداد کے نام سے مشہور ہوا۔ بعد میں اس نے خراسان، مرو، بصرہ، بلخ اور موصل میں بھی اسی قسم کے مدارس قائم کیے جن میں مروجہ علوم کے علاوہ عبرانی، لاطینی، فارسی، سنسکرت اور یونانی زبانوں کی تعلیم بھی دی جاتی تھی اور اس زمانے کے رواج کے مطابق طلبہ کو گھڑ سواری، تیر اندازی، شمشیر زنی وغیرہ کی مشق بھی کروائی جاتی تھی۔ ان مدارس کی اہمیت اس قدر زیادہ تھی کہ وہاں کے اساتذہ کا تقرر خود حکمرانِ وقت کرتا تھا۔ امام غزالیؒ نے نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی اور بعد میں اس کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ سعدی شیرازی بھی نظامیہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وہ یہاں اپنے زمانے کے طلبہ کی تعداد سات ہزار بتاتے ہیں۔

اسی زمانہ میں اعلیٰ تعلیم کے حوالہ سے لفظ حلقہ بھی رائج ہو چکا تھا جب کوئی عالم کسی شہر میں آتا تو لوگ مسجد میں اس کے گرد جمع ہو جاتے۔ استاد چوکی پر مسجد کے کسی ستون یا دیوار کے ساتھ بیٹھ جاتا، شاگرد اس کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو جاتے۔ استاد کسی فن

کے مسائل زبانی بیان کرتا شاگرد استاد کے لیکچر کو لکھ لیتے تھے۔ سوال پوچھنے کی عام اجازت تھی۔ ہر عمر کے لوگ شاگردوں میں شامل ہو سکتے تھے۔ طالبانِ علم دُور دراز کے سفر کر کے ان حلقوں میں شاگردی اختیار کرتے تھے۔ ان حلقوں اور مدارس کے علاوہ علما، وزرا، حکما اور امرا کے گھروں میں قائم مدارس بھی اشاعت تعلیم کا فریضہ انجام دینے لگے۔

مکتب

مکتب عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی لکھنے کی جگہ یا لکھنے کی میز کے ہیں۔ مکتب کا لفظ عموماً ابتدائی تعلیم کے ایسے مدارس کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جہاں طلبہ کو لکھنے کا فن سکھایا جاتا تھا۔ ایسے مکاتب معلم کے گھر یا مساجد میں قائم کیے جاتے تھے۔ مکتب کے استاد کو معلم کہتے تھے۔

مدارس

مدارس۔ جمع ہے مدرسہ کی، جس کے معنی درس کی جگہ کے ہیں اور درس کے معنی سبق کے ہیں یعنی درس یا سبق پڑھنے کی جگہ۔ مدارس ایسے ادارے کہلانے لگے جن کی ضرورت مکتب کی تعلیم کے بعد پیش آتی تھی۔ عموماً یہ مسجد سے باہر مختلف جگہوں پر قائم کیے جانے لگے۔ مدارس میں پڑھانے والے اساتذہ کو مدرس کہتے تھے۔ یہاں سائنس اور فلسفے کے علاوہ مختلف زبانیں بھی سکھائی جانے لگیں اساتذہ کی باقاعدہ تنخواہ اور طلبہ کے لیے وظائف مقرر کیے جانے لگے۔

جامعات

جامعہ یا یونیورسٹی کا درجہ قرونِ وسطیٰ میں اعلیٰ درجوں کی درسگاہ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ نظامیہ بغداد اور دوسرے شہروں میں قائم ہونے والی درسگاہیں اسی درجہ کی تھیں۔ مستنصر باللہ نے 1233ء میں نظامیہ بغداد کے مقابلے میں اعلیٰ درجے کی ایک درسگاہ بنوائی جسے جامعہ مستنصریہ کہتے تھے۔ اس میں نظامیہ بغداد کے مقابلے میں علوم کے زیادہ شعبے کھولے گئے۔ عمارت بہتر بنائی گئی جس میں اساتذہ اور طلبہ کے لیے زیادہ سہولتیں مہیا کی گئیں۔ طلبہ کو جامعہ کی طرف سے چٹائیاں، کاغذ، دوات اور قلم کے علاوہ چراغ کے لیے زیتون کا تیل مفت مہیا کیا جاتا تھا۔ رہائش اور خوراک کے علاوہ طلبہ کو وظیفہ بھی دیا جاتا تھا۔

جامعہ ازہر قاہرہ میں نویں صدی عیسوی میں قائم ہوئی۔ یہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی سمجھی جاتی ہے اور آج بھی اپنی شہرت رکھتی ہے۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ہزاروں غیر ملکی طلبہ یہاں سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اپنے علاقوں میں جا کر تعلیم کی اشاعت کا باعث بنتے ہیں۔

اندلس میں اسلامی تعلیم کا باقاعدہ آغاز دسویں صدی عیسویں میں ہوا۔ قرطبہ، غرناطہ، طلیطلہ، اشبیلیہ اس کے مراکز تھے۔ یورپ کے طلبہ نے ان شہروں میں قائم یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کی اور یورپ میں علمی احیا کا باعث بنے۔

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد 712ء میں محمد بن قاسم کے فتح سندھ سے ہوئی جو طریقہ ہائے تعلیم اور نصاب عرب میں مروج ہو چکے تھے اس کے مطابق یہاں بھی تعلیم کی اشاعت شروع کی گئی۔ بعد میں سلطان محمود غزنوی اور اس کے جانشینوں کے عہد میں مکاتب اور مدارس قائم ہوئے۔ ذیل میں برصغیر میں قائم ہونے والی درسگاہوں اور نظام تعلیم کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مسلم مفکرین کی تعلیمی خدمات

مسلمانوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ''گود سے گور تک علم حاصل کرو'' پر عمل کرتے ہوئے تعلیم کے میدان میں بے شمار کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ تاریخ انسانی مسلمانوں کے عظیم علمی وادبی کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ تعلیم کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے کوئی ماہر تعلیم مسلمان اہل علم وفن کی پیشہ ورانہ خدمات کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ ذیل میں چار ممتاز مسلمان مفکرین تعلیم الغزالیؒ، ابن خلدون، ابن سینا اور زرنوجی کی تعلیمی خدمات کو مطالعے کا موضوع بنایا گیا ہے۔

الغزالیؒ (1058ء - 1111ء)

آپ کا نام امام محمد الغزالیؒ کے طور پر مشہور ہے۔ آپؒ ایک ماہر تعلیم اور بہترین استاد تھے۔ مفکر تعلیم کی حیثیت سے اہل مغرب بھی ان کا لوہا مانتے ہیں۔ آپ کی اکثر کتابوں کے تراجم کئی یورپی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ کیمیائے سعادت اور احیاء العلوم آپ کی اہم تصانیف ہیں۔ آپ مدرسہ نظامیہ بغداد کے صدر رہے۔ یہ ادارہ اس زمانے میں بین الاقوامی اہمیت کا حامل تھا۔

تعلیمی تصورات

امام غزالیؒ کے نزدیک حقیقت تک رسائی تعلیم کے بغیر ممکن نہیں۔ پیغمبروں کو جو علم وحی کے ذریعے پہنچتا ہے وہی سچا اور حقیقی علم ہوتا ہے۔ عقل علم کا منبع ہے اور عقل انسان کے اندر غور وفکر کا مادہ پیدا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تعلیم کے ذریعے کائنات کو مسخر کرنے کی صلاحیت دی ہے۔ انسان کی سب سے بڑی فضیلت علم ہے۔ علم میں بے پناہ قوت ہے یہ ساکن نہیں بلکہ رواں دواں ہے جس میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ انسان اس سے کائنات کے نئے نئے اسرار ورموز تک رسائی حاصل کرتا رہے گا۔ علم کی وجہ سے ہی انسان انسانیت کے درجہ پر فائز ہے۔ ایمان اور علم لازم وملزوم ہیں۔ ایسے علوم جو انسانوں کے لیے ضروری اور مفید ہیں جیسے قرآن، حدیث، فقہ اور مختلف پیشوں کا علم وغیرہ۔ امام غزالیؒ اُنھیں علومِ محمود کہتے ہیں اور وہ علوم جن میں انسانوں کے لیے نقصان کا کوئی پہلو موجود ہو انھیں علومِ مذموم کہتے ہیں۔

مقاصدِ تعلیم

امام غزالیؒ کے فلسفہ تعلیم اور ان کے دوسرے فلسفیانہ تصورات کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی روشنی میں درج ذیل مقاصد تعلیم متعین کیے جاسکتے ہیں۔

1- معرفتِ الٰہی کا حصول

امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم کا اولین مقصد معرفتِ الٰہی یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کی پہچان ہے۔ امام غزالیؒ کے نزدیک انسان اس وقت تک ذات باری تعالیٰ کی پہچان حاصل نہیں کرسکتا جب تک وہ دینی تعلیم بالخصوص قرآنی تعلیم تک رسائی حاصل نہ کرے اور اُس کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم بھی حاصل کرتا رہے۔

2- رضائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا

امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم کا دوسرا بڑا مقصد رضائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہے اور اس کا فرمانبردار بندہ بننا ہے۔ جب انسان معرفت الٰہی کا درجہ حاصل کرلیتا ہے تو اس پر فرض ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی تمام خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکامات

کے مطابق ڈھال لے۔

3- اخلاقی اقدار کا فروغ

امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم کا تیسرا بڑا مقصد اخلاقی اقدار کا فروغ ہے۔ معلم کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعے اخلاقی تربیت اور اخلاقی اقدار کے فروغ پر بہت زور دیا، مثلاً سچائی، دیانت داری اور بڑوں کا احترام وغیرہ

4- اعلیٰ کردار کی تشکیل و تکمیل

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ اچھی تعلیم وہی ہے جو انسان کو انسانیت کے درجے پر فائز کرتی ہے وہ نیکی اور بدی میں تمیز کر کے نیکی کو اپناتا ہے اور برائی کے کاموں کو ترک کر دیتا ہے۔ انسان اپنے اچھے کردار اور نیک اعمال سے پہچانا جاتا ہے اور یہ اوصاف انسان میں تعلیم کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں۔

5- دنیاوی ضروریات کا خیال

امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم کا مقصد دنیوی ضروریات کو پورا کرنا بھی ہے۔ آپؒ کے نزدیک افراد کو ایسی تعلیم دینا چاہیے جو انھیں ایک مثالی زندگی گزارنے کے قابل بنائے اور ان کی دنیوی ضروریات کو پوری کرنے کا باعث بنے۔ اسی لیے آپؒ دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیوی علوم سیکھنے پر بھی زور دیتے ہیں۔

6- تسخیرِ کائنات

امام غزالیؒ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کائنات کے اسرار و رموز کو جاننا اور نوع انسانی کے لیے انھیں کام میں لانا تعلیم کا ایک انتہائی اہم مقصد قرار دیا ہے۔

نصابِ تعلیم

امام غزالیؒ نے مضامین کی درجہ بندی کر کے نصابِ تعلیم کو لازمی مضامین اور اختیاری مضامین میں تقسیم کیا ہے۔ امام غزالیؒ لازمی مضامین کو فرضِ عین قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان مضامین کا حصول ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے۔ اس میں وہ اسلام کے بنیادی عقائد اور عمر کے مطابق قرآن و حدیث کی روشنی میں عبادات و معاملات کے بارے میں علوم کو شامل کرتے ہیں۔ وہ تدریج کے اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ یعنی عمر کے مطابق روزمرہ زندگی میں عبادات و معاملات کی جو صورت پیش آئے اس کے بارے میں علم حاصل کرنا فرض عین یعنی لازمی ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ وغیرہ کی تعلیم کو وہ ہر مسلمان کے لیے لازمی مضامین میں شامل کرتے ہیں۔

اختیاری مضامین کو امام صاحب فرض کفایہ کا نام دیتے ہیں۔ ان میں وہ مضامین شامل ہیں جن کے بغیر معاشرے کا کاروبار نہیں چلتا۔ اگر معاشرے میں ان علوم کے جاننے والے افراد مناسب تعداد میں موجود ہوں تو معاشرے کا کام چلتا رہے گا۔ اسی مناسبت سے ان کو فرض کفایہ کہا گیا ہے۔ ان میں طب، ریاضی، زراعت، صنعت و حرفت، پارچہ بافی اور علم سیاسیات وغیرہ شامل ہیں۔

طریقہ تدریس

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جدید مغربی مفکرین تعلیم نے تعلیمی تحقیق کی بنیاد پر جو طریقہ ہائے تدریس پیش کیے ہیں ان میں طالب علموں کی نفسیات کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ امام غزالیؒ نے تدریس کے جو طریقے اس سے بہت پہلے بتائے وہ تعلیمی

نفسیات کے عین مطابق تھے۔ان کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے۔

بچوں کے رُجحانات کے مطابق تعلیم دینا

امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم میں بچوں کے طبعی رجحانات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔دوران تدریس معلم اپنے شاگردوں کے طبعی رجحانات، میلانات اور مزاج کا خیال رکھے۔

تدریس میں تدریج

امام غزالیؒ تدریس میں تدریج کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک تدریج سے مراد علم کو درجہ بدرجہ اور مرحلہ وار پیش کرنا ہے۔امام غزالیؒ اس نقطہ نظر میں مغربی مفکرین کے پیش رو ہیں۔انھوں نے نفسیاتی طریقہ ہائے تعلیم کی وضاحت اپنی کتاب احیاء العلوم میں بڑی تفصیل سے کی ہے۔

ذہنی استعداد کے مطابق تعلیم دینا

امام غزالیؒ نے طلبہ کی ذہنی استعداد کے مطابق انھیں تعلیم دینے کی سفارش کی ہے۔امام غزالیؒ کا کہنا ہے کہ اساتذہ تدریس کے دوران بچوں کی ذہنی استعداد کو مدنظر رکھیں ورنہ تعلیم کے مطلوبہ مقاصد پورے نہیں ہوں گے۔

سابقہ معلومات کی مدد سے تعلیم دینا

امام غزالیؒ نے اساتذہ کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ نئے سبق کو بچوں کی سابقہ معلومات سے مربوط کریں اور بچوں کو ان کے پہلے سے حاصل شدہ تعلیمی تجربات کی روشنی میں نئی معلومات فراہم کریں۔

عمل کے ساتھ مشروط کر کے تعلیم دینا

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تعلیم کے اس وقت تک خاطر خواہ نتائج نہیں نکل سکتے جب تک کہ اسے عمل سے مشروط نہ کیا جائے یعنی جو پڑھا جائے اُس پر عمل کیا جائے۔

بچوں کے لیے سبق آسان بنائے جائیں

امام غزالیؒ نے تدریس کے جو طریقے پیش کیے ان کے مطابق اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اپنے اسباق کو دلچسپ اور آسان بنائیں۔ سبق کو دلچسپ بنانے کے لیے قصے، کہانیوں اور حکایات کی مدد بھی لی جاسکتی ہے۔

اسباق کی تیاری

سبق کی تیاری کے بغیر ایک معلم اپنے پیشے سے انصاف نہیں کرسکتا۔امام غزالیؒ اساتذہ کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ سبق پڑھانے سے پہلے اس کی اچھی طرح تیاری کرلیں۔

استاد شاگرد تعلقات

امام غزالیؒ نے استاد اور شاگرد کے تعلقات اور آداب پر کافی تفصیل سے بات کی ہے جو ذیل میں دی جارہی ہے۔

آدابِ معلم

امام غزالیؒ کے نزدیک جو شخص خود کو معلم کے درجے پر فائز کرتا ہے وہ درج ذیل باتوں کا خیال رکھے:

1- شاگردوں کو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے برابر سمجھے اور ان سے نہایت شفقت اور محبت سے پیش آئے۔

2- اپنے قول و فعل میں مطابقت پیدا کرے۔

3- اپنے شاگردوں سے ان کے معیار اور استعداد کے مطابق گفتگو کرے۔

4- تعلیم کا صلہ طلب نہ کرے اور نہ ہی خوشامد اور تعریف کی خواہش کرے۔

5- جہاں تک ممکن ہو طلبہ کو نصیحت کرتا رہے۔

6- شاگردوں کو اشاروں، کنائیوں اور پیار و محبت سے راہ راست پر لائے اور بری باتوں سے روکے۔ سختی کرنے سے طلبہ کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور معلم کا وقار کم ہو جاتا ہے۔ انتہائی ناگزیر حالات میں امام غزالیؒ نے تین چھڑیوں کی حد تک بدنی سزا کی اجازت دی ہے۔

متعلم کے آداب

امام غزالیؒ نے متعلم کو بھی کچھ باتوں کی نصیحت کی ہے۔ آج کے طالب علموں کے لیے بھی امام غزالیؒ کی یہ باتیں نشانِ راہ ہیں:

1- اپنے علم پر تکبر نہ کرے۔

2- استاد کی فرمانبرداری کو اپنا شعار بنائے۔

3- اپنے نفس کو بری عادات سے دُور رکھے۔

4- تمام علوم و فنون کا بنیادی علم حاصل کرے لیکن ایک فن یا علم پر پوری دسترس اور مہارت حاصل کرے۔

5- کسی ایک فن پر پوری طرح مہارت حاصل کر لینے سے پہلے، دوسرے فن میں قدم نہ رکھے۔

6- کسی فن یا علم کو ایک دم اکٹھا حاصل کرنے کی بجائے تدریجاً حاصل کرے۔

ابن خلدون (1332ء - 1406ء)

ابن خلدون کا اصل نام ولی الدین عبدالرحمٰن تھا۔ تعلیم کا آغاز حفظ قرآن سے کیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ بعد میں تیونس کے علما سے استفادہ کیا اور علم و ادب میں اپنا ایک مقام بنایا۔ لغت، شعر و شاعری، فقہ اور حدیث میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ روزگار کے لیے تیونس کے امیر کے دربار میں کاتب کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ مختلف اوقات میں وزارت کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ جامعہ ازہر میں فقہ پڑھاتے رہے۔ قاضی القضاۃ بھی رہے۔ ان کی اصل وجہِ شہرت ان کی تصنیف مقدمہ ابن خلدون ہے۔

تعلیمی تصورات

آپ کی کتاب مقدمہ ابن خلدون اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں تاریخ، فلسفہ، سیاسیات، معاشیات، عمرانیات اور عربی علم و تہذیب پر بحث شامل ہے۔ "المقدمہ" جو آپ کی اس کتاب کے ساتھ مقدمے کے طور پر شامل تھا اور اب اسے ایک مکمل تصنیف کی حیثیت حاصل ہے۔ تعلیم و تعلم اس مقدمے کا ایک موضوع ہے۔ اس موضوع پر ابن خلدون نے مختلف مقامات پر ماہرانہ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان میں سے چند پہلوؤں کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ابن خلدون نے تعلیمی نظریات میں جس خصوصی بات کا اضافہ کیا ہے وہ انسانی فطرت کا سیکھنے کا ''تقاضا'' ہے۔ابن خلدون کا کہنا ہے کہ انسان سیکھنے پر مجبور ہے۔سیکھنا اس کا فطری اور جبلی تقاضا ہے۔اس سے پیشتر کسی ماہر تعلیم نے انسانی فطرت کے بارے میں ایسی بات نہیں کی۔

ابن خلدون کے خیال میں جس طرح خوراک، لباس اور رہائش وغیرہ کا حصول انسانی ضروریات کا ایک تقاضا ہے، اسی طرح حصول تعلیم بھی فطرت انسانی کا ایک تقاضا ہے۔انسانی فطرت میں سیکھنے کی صلاحیت ہی تعلیم کی بنیاد ہے۔سیکھنا انسانی سرشت ہے اور انسان کو اپنی سرشت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ کے اس نظریہ کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔مغرب کے جدید نظریات جن میں تعلیم کو فرد کا حق قرار دیا گیا ہے اس کے سامنے بہت ہیچ ہیں۔

ابن خلدون حصول تعلیم کے لیے غور و فکر کو بہت اہمیت دیتے ہیں لیکن آپ کے خیال میں حقیقت کا علم حاصل کرنے کے لیے پیغمبروں کی تعلیمات پر ایمان لانا ضروری ہے۔

مقاصد تعلیم

ابن خلدون کے عمرانی تصورات، مقاصد تعلیم کے تعین میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ان کے نزدیک تعلیم کے مقاصد درج ذیل ہیں۔

1- تعلیم انسان کی طبعی ضرورت

یہ ابن خلدون کا بڑا ہی نادر اور جدید تصور ہے کہ تعلیم انسان کی ایک ایسی ہی طبعی ضرورت ہے جیسے حفاظت نفس، خوراک، لباس وغیرہ۔

2- اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول

ابن خلدون کے نزدیک امام غزالیؒ کی طرح علم کا مقصد معرفت الٰہی یا علم حقیقت کا حصول ہے۔وہ حواس خمسہ کی حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ فرماتے ہیں کہ حواس خمسہ سطحی علم کی بنیاد ہیں اور علم معرفت کے حصول کے لیے ناکافی ہیں۔

تعلیم کا بنیادی فرض یہ ہے کہ بچوں کو اسلامی عقائد سے روشناس کرائے۔معرفت کے حصول کے لیے ایمان اور عقیدے کی پختگی بنیادی شرط ہے۔اس کے لیے ایک اور حس کی ضرورت ہے لیکن یہ حس قدرت نے ہر ایک کو نہیں دی۔چند افراد ہی اس سے فیض یاب ہوئے ہیں جنھیں پیغمبر کہا جاتا ہے۔ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ ان احکامات پر ایمان لائے جو پیغمبروں نے ہم تک پہنچائے ہیں۔ان احکامات پر ایمان لانا علم معرفت کی پہلی سیڑھی ہے۔ابن خلدون کے نزدیک تعلیم کا سب سے بڑا مقصد حقیقت اور معرفت کا حصول ہے اور اس کے لیے ایمان کی پختگی شرط ہے۔

3- تخلیق و اجتہاد کی صلاحیتوں کی نشوونما

ابن خلدون کے زمانے میں علوم رٹوائے جاتے تھے اور اس کو علمی کمال سمجھا جاتا تھا۔ابن خلدون نے اس کی سخت مخالفت کی۔ابن خلدون انسان کی غور و فکر کی صلاحیت کے بہت معترف ہیں۔

آپ نے تدریس کے سلسلہ میں بحث و مناظرہ کی صرف اس لیے حوصلہ افزائی کی کہ اس طرح انسانی سوچ پر نئی نئی راہیں کھلتی

ہیں اور وہ تقلید و جمود کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کی بجائے اس کی تخلیقی اور اجتہادی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں اور یہی تعلیم کا مقصد ہے۔

4- اعلیٰ انسانی اقدار کی نشوونما

ابن خلدون انسان کو بہت معزز قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے جو انسان کی عزت نفس کے منافی ہو۔ کیونکہ اس سے شرف انسانی گر جاتا ہے اور انسان میں اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ وہ سزا کے بھی اسی لیے خلاف ہیں کہ سزا کے خوف سے بچے اخلاق رذیلہ اختیار کرتے ہیں، حیلہ سازی اور جھوٹ وغیرہ کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ تعلیم کے ذریعہ انسانوں میں خود اعتمادی، غیرت، حمیت، شجاعت وغیرہ جیسی اعلیٰ اقدار کی نشوونما چاہتے ہیں۔

5- غور و فکر کی صلاحیت کی نشوونما

ابن خلدون طلبہ میں غور و فکر کی صلاحیت کی نشوونما کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ علم کی نشوونما بھی اسی صلاحیت کی نشوونما سے ممکن ہے۔ انسان اپنے اردگرد کے ماحول پر غور کرتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے طریقے سوچتا ہے۔ انسان نے اپنی قوت فکر کو کام میں لا کر عمرانی زندگی کا آغاز کیا تھا اور یہی قوت فکر اسے حیوانوں سے بلند مرتبہ دلاتی ہے اور اسی قوت کی بدولت انسانی معاشرہ ترقی کرتا ہے۔ علم کا اصل مقصد ان کے نزدیک معرفت الٰہی یا علم حقیقت کا حصول ہے جو غور و فکر کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ ایمان کی پختگی کو بھی اس کے لیے لازم ٹھہراتے ہیں۔

ابن خلدون کے جو دوسرے مقاصد تعلیم ہو سکتے ہیں وہ یہ ہیں:

i- علمی ملکہ پیدا کرنا۔

ii- دنیا و آخرت میں کامیاب زندگی کے لائق بنانا۔

iii- عمرانی زندگی کے تقاضوں کا اہل بنانا۔

نصاب تعلیم

ابن خلدون کے خیال میں نصاب تعلیم طالب علم کے رُجحان، استعداد اور عمر کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ نصاب جامع ہو اور اس میں تدریج کا خیال رکھا گیا ہو، وہ تجویز کرتے ہیں کہ پرائمری تعلیم کا آغاز مادری زبان سے کیا جائے کیونکہ اجنبی زبان میں تعلیم نصف تعلیم کے مترادف ہے۔ پھر اسے حساب سکھایا جائے۔ بعد میں قرآن پاک کی تعلیم دی جائے۔ ان کا خیال تھا کہ ابتدا میں بچے کی فکر ناپختہ ہوتی ہے۔ حساب اور مادری زبان میں مہارت سے طالب علم کی فہم و فراست میں اضافہ ہوتا ہے جس سے دوسرے علوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

انھوں نے تمام علوم کو دو اقسام طبعی یا عقلی علوم اور تقلیدی یا نقلی علوم میں تقسیم کیا ہے۔

عقلی علوم سے مراد وہ علوم ہیں جن میں انسان عقل اور غور و فکر سے ملکہ حاصل کرتا ہے۔ ان میں منطق، فلسفہ، ہندسہ، طبیعیات، معدنیات اور موسیقی وغیرہ شامل ہیں۔ یا آج کے دور میں طب، انجینئرنگ، وکالت وغیرہ وغیرہ۔

نقلی علوم سے وہ علوم مراد ہیں جن کا سرچشمہ قرآن پاک ہے۔ ان میں تفسیر، حدیث، فقہ، لغت وغیرہ شامل ہیں۔

طریقہ تدریس

ابن خلدون نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ تدریس میں طلبہ کی سہولت کو پیش نظر رکھا جائے۔ ان کے خیال میں مشکل انداز

اختیار نہ کیا جائے۔ آپ طلبہ کی سہولت کے پیش نظر نفسیاتی طریقے اختیار فرماتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ معلوم سے نامعلوم اور آسان سے مشکل کی طرف بڑھنا چاہیے۔ اس طرح طلبہ بات کو اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں۔ تدریس میں بہتری کے لیے انھوں نے جو طریقے تجویز کیے ہیں ان میں نیا پن ہے اور آج بھی ان کی افادیت مسلمہ ہے۔

تدریج کا اصول

وہ تدریج کے اصول کے قائل ہیں اور تدریس کو موثر بنانے کے لیے نصاب کو تین ادوار میں تقسیم کرنے کے قائل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ پہلے دور میں علم رفتہ رفتہ اور تھوڑا تھوڑا ذہن نشین کرایا جائے۔ ہر باب کے بنیادی اصول طلبہ کو ذہن نشین کرائے جائیں۔ دوسرے دور میں کچھ اونچی سطح کے مسائل زیر بحث لائے جائیں۔ تیسرے دور میں علم اور فن کی تدریس تو ابتدا سے کی جائے لیکن اس دور میں کسی مسئلہ کو بغیر مکمل تشریح کے نہ چھوڑا جائے۔ اس دور میں طلبہ کو فن کی باریکیاں مکمل طور پر ذہن نشین کرا دینی چاہئیں کیونکہ تیسرے دور میں فن کو سمجھنے کی خاصی صلاحیت پیدا ہو چکی ہوتی ہے۔

بحث و مناظرہ کا طریقہ

علامہ رٹہ بازی کے سخت خلاف تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ طلبہ میں سوجھ بوجھ اور غور و فکر کی صلاحیت پیدا کی جائے جس سے وہ مسائل زندگی حل کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس مقصد کے لیے وہ سفارش کرتے ہیں کہ کلاس میں بحث و مناظرہ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس طرح ان کا خیال تھا کہ طلبہ میں سوچنے سمجھنے کی صحیح صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے مسائل کا حل خود تلاش کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

حصول علم کے لیے سفر کی اہمیت

ابن خلدون حصول علم کے لیے سفر کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ آپ کے زمانے میں اعلیٰ تعلیم کے دارالعلوم زیادہ نہ تھے اور عموماً دور دراز کے شہروں میں واقع تھے۔ اعلیٰ علوم کے حصول کے لیے سفر اختیار کرنا ضروری تھا۔ ابن خلدون ایسے سفر کو اہمیت دیتے ہیں اور مستحسن خیال کرتے ہیں۔

- ☆ ایک وقت میں ایک فن پڑھایا جائے۔ اس میں پختگی کے بعد دوسرا علم یا فن سیکھنا شروع کیا جائے۔
- ☆ طالب علموں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا جائے۔ ان سے سختی نہ کی جائے بلکہ شفقت اور ہمدردی کا برتاؤ کیا جائے۔
- ☆ ابن خلدون تعلیم کے لیے طلبہ کو سزا دینے کے خلاف ہیں۔ ان کے خیال میں طلبہ کو سزا دینے سے وہ شرف انسانیت سے گر جاتے ہیں۔

علامہ ابن خلدون رٹہ بازی کے خلاف ہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ سبق طلبہ کے سامنے سادہ اور عام فہم زبان میں پیش کیا جائے جو ان کی ذہنی سطح کے مطابق ہو، تاکہ وہ سبق کو رٹنے کی بجائے سمجھ کر ذہن نشین کر لیں۔ رٹے بازی سے بچے کی ذہنی تربیت پر اچھا اثر مرتب نہیں ہوتا۔

استاد شاگرد تعلقات

علامہ ابن خلدون نے اپنی تصنیف المقدمہ میں ایک پورا باب اس بات پر لکھا ہے کہ شاگردوں پر سختی کرنا ان کے لیے مضر ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ استاد کی سزا سے شاگرد شرف انسانی سے گر جاتے ہیں۔ وہ جھوٹ بولنا شروع کر دیتے ہیں اور سزا سے بچنے کے لیے چالاکی اور عیاری سے کام لیتے ہیں۔

آپ اساتذہ کونصیحت کرتے ہیں کہ وہ شاگردوں سے شفقت اور محبت کا سلوک کریں۔ ان پر سختی نہ کریں۔ افہام وتفہیم کی فضا میں آزادئ اظہار رائے (Freedom of Expression) کے مواقع فراہم کریں۔ اس سلسلہ میں وہ بحث ومباحثہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ وہ طالب علم کی متوازن نشوونما کی غرض سے جبروتشدد کی سختی سے ممانعت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ تعلیم حاصل کرنا طالب علم کا فطری تقاضا ہے۔ طالب علم پر سختی کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

آپ کے تعلیمی تصورات میں طالب علم کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی تعلیم وتدریس کے سلسلہ میں نفسیاتی طریقوں پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

ابن سینا (980ء - 1038ء)

آپ کا نام ابوعلی حسین بن عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا ہے۔ آپ شیخ بوعلی سینا کے نام سے مشہور ہیں۔ یورپ میں آپ (Avecena) کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ آپ چھ(۶) برس کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ بخارا پہنچے۔ ان دنوں بخارا علوم وفنون کا مرکز تھا۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔

ابن سینا نے مطالعے سے تصوف، طبعیات، فلکیات، ریاضی، موسیقی اور مابعدالطبیعات میں اس درجہ کمال حاصل کیا کہ بڑے بڑے اساتذہ آپ کی علمیت کی مثال دینے لگے۔ اکیس برس کی عمر میں آپ نے مختلف علوم میں کمال حاصل کرلیا اور تصنیف وتالیف کا کام شروع کردیا۔

آپ کی تصانیف کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ آپ کی کتاب ''الشفا'' اٹھارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسے جامع العلوم یعنی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں مختلف علوم فلکیات، طبعیات، مابعدالطبیعات، کیمیا، ریاضی، موسیقی اور حیاتیات جیسے مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ ان کی بہت سی تصانیف کے ترجمے یورپ کی کئی زبانوں میں چھپ چکے ہیں۔

آپ ابوریحان البیرونی کے ہمراہ سلطان محمود غزنوی کے دربار میں بھی پہنچے۔ بعد میں آپ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔ وفات سے پہلے سارا مال ودولت اللہ کی راہ میں صدقہ کردیا۔ غلام آزاد کردیے اور تلاوت قرآن پاک کو معمول بنالیا۔

تعلیمی تصورات

ابن سینا عقل اور منطقی استدلال کو علم کے حصول کا صحیح ترین ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں عقل ہی حواس خمسہ کے ذریعے حاصل کردہ معلومات کو علم کی منظم صورت میں پیش کرتی ہے۔ عقلی اور منطقی استدلال صحیح معیار ہے اور علم کی بنیاد ہے۔ ان کا تصور یہ تھا کہ علم کا سرچشمہ عقل موثر ہے اور عقل موثر کے ساتھ ہم آہنگی کے نتیجے میں علم حاصل ہوتا ہے۔ عقل موثر انسان کے طبعی میلان اور فطری صلاحیت کے ساتھ مل کر چھٹی حس کی صورت اختیار کرتی ہے اور علم کو قابل فہم شکل میں پیش کرتی ہے۔

ان کا تصور قدر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور انسان کی عبودیت کے محور کے گرد گھومتا ہے۔ نظام تعلیم میں اسی قدر کو نصب العین کی حیثیت حاصل ہوگی۔ عبادات اسلامی کی پابندی، فکروعمل میں خلوص اور رضائے الٰہی کو مقاصد تعلیم میں بنیادی اہمیت حاصل رہے گی۔

مقاصد تعلیم

ابن سینا کے بنیادی فلسفیانہ تصورات سے مندرجہ ذیل مقاصد تعلیم اخذ کیے جاسکتے ہیں:

1- ابن سینا کے نزدیک تعلیم کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ وہ تمام بنی نوع انسان کو وصیت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اور سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا جائے۔

2- ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ان کے نزدیک ایک اہم مقصد تعلیم ہے کیونکہ ان کے نزدیک علم حاصل کرنے کا سب سے موثر ذریعہ عقل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انسان عقل کے ذریعے علم حاصل کرے تو وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔

3- ابن سینا کے خیال میں علم و عقل میں مطابقت بہت ضروری ہے۔ ان کے نزدیک بہترین عمل وہ ہے جس کی بنیاد خلوص نیت اور علم پر رکھی جائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ علم اور عمل میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ ان کا خیال ہے کہ جو علم حاصل کیا جائے اس پر عمل بھی کیا جائے۔ ان کی نظر میں علم کے بغیر عمل بے کار ہے۔ لہٰذا علم و عمل میں ہم آہنگی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

نصاب تعلیم

ابن سینا نے براہ راست نصاب کے حوالہ سے کوئی بات نہیں کہی ہے، لیکن علوم کو تین مدارج میں تقسیم کیا ہے:

اعلیٰ علوم: وہ علوم جو حکمت و دانش پر مبنی ہیں۔ ان میں فلسفہ، منطق اور اخلاقیات جیسے علوم شامل ہیں جن کا مادے سے کوئی تعلق نہیں۔

دنیوی علوم: جن کا مادے سے تعلق ہے، مثلاً علم کیمیا، علم طبیعیات اور علم طب وغیرہ۔

وسطی علوم: وہ علوم جو بعض خصوصیات اور پہلوؤں سے مادی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض خصوصیات اور پہلوؤں سے مابعد الطبیعاتی حیثیت رکھتے ہیں، مثلاً علم ہندسہ، علم فلکیات، فن موسیقی اور حساب وغیرہ۔

حکمت تدریس

ابن سینا کی حکمت تدریس کی کوئی تفصیل تو دستیاب نہیں ہے لیکن وہ عملی مدرس تھے۔ طب اور فلسفہ کا درس دیتے تھے۔ ان کی عملی زندگی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس زمانے کے عام اساتذہ کی طرح رات کا ایک حصہ مطالعہ کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ یہ چیز طلبہ کے لیے مشعل راہ ہے۔ طلبہ کے لیے ان کی ہدایات یہ ہوسکتی ہیں۔

i- ریاکاری سے بچیں اور خلوصِ نیت سے علم حاصل کریں۔

ii- اسلامی عبادات اور شعائر کی پابندی کریں جس میں نماز اور روزہ شامل ہیں۔

iii- جسمانی صحت کے لیے ضروری ہے کہ لذتوں کا استعمال بلاضرورت نہ کیا جائے۔

iv- عقل اور سعادت کے حصول کے لیے دنیا و مافیہا سے بے نیازی ضروری ہے۔

استاد اور شاگرد کے تعلقات

انھوں نے ایک وصیت میں ایسا لائحہ عمل دیا ہے جو شاگردوں کے لیے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"تم کو سب سے پہلے اور سب سے آخر میں خدا کا خیال کرنا چاہیے اور اپنی آنکھوں میں اس کے دیدار کا سرمہ لگانا چاہیے۔ اس کے بعد پاؤں جما کر کھڑے رہنا چاہیے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے بہتر حرکت نماز، سب سے بہتر سکون روزہ، سب سے مفید نیکی صدقہ اور سب سے رائیگاں کوشش ریاکاری ہے۔ بحث و مباحثہ میں مشغول رہنے سے دل کا زنگ دُور نہیں ہوتا۔ بہترین عمل وہ ہے

جو خلوص نیت سے کیا جائے اور بہترین نیت وہ ہے جو علم سے پیدا ہو۔لذتوں کا استعمال صرف اس غرض سے کرنا چاہیے کہ طبیعت کی اصلاح ہو۔آدمی کا وجود قائم رہے یا نوع کو بقا حاصل ہو۔اس کے ساتھ قواعد شرعیہ کی پابندی میں خلل نہ آنے پائے اور جسمانی عبادات کا ہمیشہ پابند رہنا چاہیے۔''

علامہ زرنوجی (1170ء - 1255ء)

علامہ زرنوجی عرب کے عظیم فلسفی، دانشور اور ماہر تعلیم تھے۔ان کے حالات زندگی تفصیل سے نہیں ملتے۔ایک روایت کے مطابق آپ 1170ء میں پیدا ہوئے اور پچاسی (۸۵) سال کی عمر پائی۔

علامہ زرنوجی نے تعلیم وتربیت کے فن پر 1203ء میں ''تعلیم المتعلم طریق التعلم''، لکھی۔اس کتاب کو ہدایات نامہ متعلم کا نام دیا جاسکتا ہے۔علامہ زرنوجی نے ''تعلیم المتعلم''میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ طلبہ سخت محنت کے باوجود مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کیوں ناکام رہتے ہیں۔ان وجوہات کی نشاندہی میں تعلیم، اس کے محرکات اور اس کے مختلف طریقوں سے بحث کی گئی ہے، یعنی اس کتاب میں تعلیم کی نفسیاتی بنیادوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔علامہ صاحب نے جن تدریسی طریقوں اور تدابیر کی نشان دہی کی ہے ان کی روشنی میں ایک معلم اپنی تدریسی حکمت عملی ترتیب دے سکتا ہے۔یہ کتاب نہ صرف متعلمین کو راہنما اصول مہیا کرتی ہے بلکہ معلم کی راہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہے۔علامہ زرنوجی کی ''تعلیم المتعلم''، تعلیم وتربیت کے موضوع پر ایک منفرد تصنیف ہے۔

تعلیمی تصورات

علامہ زرنوجی کے تعلیمی تصورات کی بنیاد دین اسلام پر ہے۔علم کی اہمیت کے سلسلے میں انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کو بنیاد بنایا کہ ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' وہ فرماتے ہیں کہ ایک فرد تمام علوم حاصل نہیں کرسکتا۔اس لیے تمام علوم کا حاصل کرنا فرض نہیں ہے۔تاہم طالب علم جو علم حاصل کرے اس کے تمام اصول وضوابط جاننا فرض ہے۔

آپ علم کی فضیلت اور وسعت کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا ایک مشہور قول نقل کرتے ہیں کہ استاد ہر وقت اپنے علم میں اضافہ کرتا رہے اور امیر لوگ استاد کے عمامے کی عزت کریں اور اپنی جیبوں میں وسعت پیدا کریں۔

مقاصد تعلیم

1- علامہ زرنوجی نے رضائے الٰہی کے حصول اور آخرت میں کامیابی کو تعلیم کے حصول کا سب سے بڑا مقصد قرار دیا ہے۔آپ ایسے شخص کو بدنصیب خیال کرتے ہیں جو اس مقصد کے لیے علم حاصل کرے کہ لوگ اس کی عزت کریں اور اس کے سامنے تحائف پیش کریں۔

2- علامہ علم کے ذریعے عزت ومرتبہ اور رعب ودبدبہ صرف اس حد تک جائز قرار دیتے ہیں کہ انسان اُس سے لوگوں میں اچھائی اور نیکی کی اشاعت کرسکے۔

3- علامہ اساتذہ کو ان تمام چیزوں سے احتیاط برتنے کی تلقین کرتے ہیں جن سے علم اور اہل علم کی تحقیر ہوتی ہو۔وہ کہتے ہیں کہ استاد کو تکبر اور ذلت نفس دونوں سے دامن بچانا چاہیے۔

نصاب تعلیم

علامہ زرنوجی نصاب میں قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ اور طب جیسے مضامین شامل کرتے ہیں۔ان کے خیال میں سب سے

پہلے قرآن وحدیث کی تعلیم دینی چاہیے۔ ان کے نزدیک قرآن وحدیث کو لازمی مضامین کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بعد ثانوی درجات میں فقہ اور اصول فقہ کی تدریس ہونی چاہیے۔ ان کے خیال میں فقہ کا علم اتنا ضروری ہے جتنی انسانی زندگی کے لیے خوراک۔ اعلیٰ درجوں میں طب کی تعلیم دی جائے، تاہم فقہ اور طب جیسے مضامین اختیار کرنے میں طلبہ کو آزادی ہونی چاہیے۔ مضامین کے انتخاب کے سلسلے میں معلم طلبہ کی رہنمائی کرے۔

طریقہ تدریس

آپ نے تدریس میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے اساتذہ پر زور دیا ہے کہ وہ نفسیاتی طریقے استعمال کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ معلم کے پڑھانے کا طریقہ تعلیمی عمل کو تحریک دینے کا باعث بنتا ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ پڑھاتے ہوئے طلبہ کے نفسیاتی تقاضوں اور ضروریات کو مدنظر رکھے۔ اس طرح طلبہ زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

استاد اور شاگرد کے تعلقات

علامہ زرنوجی نے اس سلسلہ میں کوئی خصوصی تحریر نہیں چھوڑی تاہم ان کی طلبہ کے لیے ہدایات اس موضوع پر خاصی روشنی ڈالتی ہیں۔

طلبہ کے لیے ہدایات

علامہ زرنوجی نے ”تعلیم المتعلم“ خصوصی طور پر طلبہ کے لیے لکھی تھی۔ اس لیے انھوں نے بڑی تفصیل سے طلبہ کے لیے ہدایات اور رہنما اصول تحریر کیے ہیں۔

استاد کا انتخاب

علامہ زرنوجی استاد کے انتخاب کے لیے طالب علم کو تاکید کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں بڑی احتیاط سے کام لے۔ والدین، بزرگوں اور دوسرے اہل علم سے پوری سنجیدگی سے مشورہ کر کے استاد کا انتخاب کرے۔ جب انتخاب کرلے تو مضمون کی تکمیل تک استاد نہ بدلے۔ اس سے طالب علم کا وقت ضائع ہونے سے بچ جائے گا اور استاد کی شہرت بھی برقرار رہے گی۔ استاد ایسا منتخب کیا جائے جو تجربہ کار، پرہیزگار اور صاحب علم ہو۔

صبر وتحمل

تعلیم کا سلسلہ آہستہ آہستہ اور صبر وتحمل کے ساتھ جاری رکھا جائے۔ اس کے لیے علامہ نے ایک مثال دی ہے کہ لکڑی کی چھڑی کو صرف ہلکی ہلکی آنچ پر ہی سیدھا کیا جاسکتا ہے۔ تعلیم کے حصول میں تعطل نہ آنے دیا جائے اور غربت کو بھی آڑے نہ آنے دیا جائے خواہ اس کے لیے محنت مزدوری ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

شریک درس ساتھی کا انتخاب

اپنے ہم درس ساتھیوں میں سے دوست ایسے طالب علم کو بنایا جائے جو محنتی، صالح، پرہیزگار اور سلیم الطبع ہو، سست، غلط کار، فسادی، فتنہ پرداز اور بے ہودہ طالب علم کو ساتھی نہ بنایا جائے۔

تعلیم کا موزوں دور

علامہ زرنوجی نے اس حدیث ”علم حاصل کرو مہد سے لحد تک“ کا حوالہ دیا ہے لیکن وہ نوبلوغت کے دور کو تعلیم حاصل کرنے کے

لیے موزوں ترین دور خیال کرتے ہیں۔

مطالعے کا مناسب وقت

علامہ رات کے اوقات کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے موزوں قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح اونٹ رات کو بہتر سفر طے کرتا ہے اسی طرح انسانی ذہن بھی رات کے اوقات میں بہتر تعلیم حاصل کرتا ہے۔ رات میں بھی مغرب کے بعد اور سحری کا وقت موزوں ترین ہے۔

مطالعے کا طریقہ

علامہ زرنوجی حفظ کی بجائے فہم پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں سمجھ کر دو حروف سیکھنا دو بڑی کتابوں کے رٹنے سے بہتر ہے۔ تاہم سوچ سمجھ کر حفظ کی ضرورت سے انکار نہیں کرتے اور اس کے لیے تکرار کے طریقے کو مفید طور پر استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں، ان کے خیال میں طالب علم کل کے سبق کو پانچ مرتبہ دُہرائے۔ اس سے ایک روز قبل کے سبق کو چار بار اور اس سے مزید ایک روز قبل والے سبق کو ایک مرتبہ دُہرائے۔

مطالعے میں اعتدال

طالب علم مطالعے میں اعتدال سے کام لے تا کہ وہ کمزور نہ ہو جائے اور قوت کار کھو نہ بیٹھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "تمھارا ذہن تمھاری سواری کا جانور ہے اسے اعتدال کے ساتھ استعمال کرو"۔

مسلمانوں کی آمد کے وقت برصغیر کی تعلیمی حالت

مسلمانوں کی آمد کے وقت یہ خطہ جہالت اور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ آریاؤں کی آمد کے بعد یہاں کا معاشرہ معزز اور ذلیل ذاتوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ تعلیم و تعلم پر صرف برہمن کی اجارہ داری تھی۔ حتیٰ کہ کھشتری اور ویش بھی تعلیم وتدریس کے شعبوں میں برہمنوں کے ساتھ شریک نہ تھے۔ شودر پیدائشی طور پر کمتر سمجھے جاتے تھے۔ ان کا کام دوسرے طبقوں کی خدمت کرنا تھا۔ تعلیم کے دروازے ان پر بند تھے۔ اسلامی تعلیمات میں عدل وانصاف اور انسانی مساوات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے مسلمان جہاں بھی پہنچے مقامی آبادی کی اکثریت مسلمانوں کی علم دوستی اور ان کی اعلیٰ معاشرتی اقدار کے نتیجے میں اسلام میں داخل ہوگئی۔ یہاں کا ہندو معاشرہ بھی مسلمانوں کی ان اعلیٰ روایات سے متاثر ہوا اور ان میں بھی عمومی تعلیم کا تصور فروغ پا گیا۔

برصغیر کے مسلمان حکمران، علما اور امرا حتیٰ کہ عوام بھی اسلام کے ہمہ گیر تصور تعلیم سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔ مسلمان حکمران عموماً خود بڑے عالم اور فاضل تھے۔ علاؤالدین خلجی اور اکبر جیسے حکمران جو خود عالم نہ تھے وہ بھی تعلیم کے فروغ میں بہت فراخ دل تھے۔ انھوں نے بھی تعلیم کی اشاعت کے لیے مسجدیں اور مدارس تعمیر کرائے۔ اساتذہ اور طلبہ کے لیے وظائف مقرر کیے اور ممکن حد تک تعلیمی سہولتیں مہیا کیں جس سے برصغیر میں تعلیم عام ہوگئی۔

برصغیر میں نظامِ تعلیم کے نمایاں پہلو

برصغیر میں مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں اشاعت تعلیم کے لیے جو اقدامات کیے ان کے انمٹ نقوش یہاں کی سیاسی، سماجی

اور معاشرتی زندگی پر ثبت ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں جاہل اوران پڑھ ہونا بہت بُری بات تھی۔ بڑی بڑی بستیوں اور قصبوں میں تعلیم کے فروغ کے لیے کئی کئی مدرسے ہوتے تھے جہاں دینی علوم یعنی قرآن مجید، حدیث اور فقہ کے علاوہ شاعری، صرف ونحو اور تاریخ وجغرافیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مسلمان حکمرانوں کی علمی سرپرستی کا سلسلہ انگریزوں کے اقتدار پر قابض ہونے تک قائم رہا۔ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضے کے بعد مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کو بہت نقصان پہنچایا جو ایک الگ موضوع ہے۔ ذیل میں ہم مسلمانوں کے نظام تعلیم کے جن نمایاں پہلوؤں کا جائزہ لیں گے ان میں مقاصدِ تعلیم، نصابِ تعلیم، حکمت تدریس، نظم ونسق اور امتحانات شامل ہیں۔

مقاصد تعلیم

مقاصد تعلیم کو نظام تعلیم میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام کی نظر میں تعلیم وتعلم کا اصل مقصد رضائے الٰہی اور اخلاق حسنہ کی تکمیل ہے اور علم کی روشنی سے جہالت کے اندھیرے کو دُور کرنا ہے۔ برصغیر کے مسلمان حکمرانوں اور علمائے کرام کی اشاعت تعلیم میں دلچسپی کا جائزہ لیتے ہوئے ہم ایک طرف ہمایوں جیسے بادشاہ اور فتح اللہ شیرازی جیسے وزیر کو تعلیم وتدریس میں مشغول پاتے ہیں تو دوسری طرف ہزاروں علما ومشائخ کو اپنے دوسرے مشاغل کے ساتھ ساتھ اس فرض کی ادائیگی کرتے ہوئے بھی دیکھتے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک تعلیم کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

i- رضائے الٰہی کا حصول

حصول رضائے الٰہی مسلمانوں کی زندگی کا مقصد ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس نے اس علم، جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے، اس لیے حاصل کیا کہ وہ اس سے اپنی کوئی (دنیوی) غرض حاصل کرے تو قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا''۔

برصغیر پاک وہند میں ان لوگوں کے علاوہ جنھوں نے تعلیم کو بطور پیشہ اختیار کیا، بے شمار لوگ ایسے تھے جن کی معاشی مشغولیتیں اور تھیں لیکن مذکورہ بالا حدیث کے مطابق جو کچھ انھوں نے سیکھا محض رضائے الٰہی کے لیے دوسروں کو سکھانے کی کوشش کی۔ یہی وجہ تھی کہ برصغیر کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی مسجدوں اور خانقاہوں کے علاوہ لوگوں نے گھروں پر بھی بغیر کسی دنیوی لالچ اور معاوضے کے مدارس قائم کیے ہوئے تھے۔ اہل علم کے علاوہ ہندوستان کے حکمران طبقے نے بھی یہی مقصد سامنے رکھتے ہوئے تعلیم کو عوام الناس تک پہنچایا۔

ii- تعمیر سیرت وکردار

اسلامی مقاصد تعلیم میں تعمیر سیرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن حکیم نے خدائی انعامات کی خوشخبری ان لوگوں کو دی ہے جو ایمان لانے کے ساتھ ساتھ نیک کام بھی کرتے ہیں۔ اسلام نے تربیت اخلاق کو تعلیم کا لازمی جز قرار دیا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں بھی علما وصوفیا نے تعلیم کے ذریعے اپنے طلبہ کے کردار کی تعمیر کی اور ان میں اچھے اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ وہ خود بھی اچھے کردار کا عملی نمونہ تھے۔ اسلامی نظامِ تعلیم فرد کی شخصیت کی تعمیر کو بنیادی اہمیت دیتا ہے تاکہ صالح افراد مل کر صالح معاشرہ تشکیل دے سکیں اور اجتماعی زندگی کے وظائف احسن طریقے سے انجام دیں۔

iii- متوازن نشوونما

تعلیم کسی ایک انسانی پہلو کی نشوونما کا عمل نہیں بلکہ اس کے ذریعے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی متوازن نشوونما کا کام

لیا جاتا ہے۔ برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں نے اپنے مدارس میں جو تعلیمی نظام رائج کیا اس میں طلبہ کی ہمہ پہلو نشوونما کا خیال رکھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے سامنے تعلیم کا تصور بہت وسیع تھا۔ گو دینی تعلیم کو مرکزی حیثیت حاصل تھی لیکن تجارت اور فنون سپاہ گری کے لیے بھی ادارے قائم تھے۔ تعلیم کی وسعت اور ہمہ گیری کا یہ عالم تھا کہ مدارس میں ایک طرف قرآن وحدیث، فقہ، منطق اور کلام کی تعلیم دی جاتی تھی تو دوسری طرف تاریخ، جغرافیہ، طبعیات اور علم ہندسہ کی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔

iv- معاشی خود کفالت

اسلامی نظام تعلیم میں اس بات کو اہمیت حاصل رہی ہے کہ طلبہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنی روزی بھی کما سکیں۔ برصغیر کے نظام تعلیم میں ایسے فنون بھی شامل تھے جو طالب علم کی خود کفالت کے ضامن سمجھے جاتے تھے مثلاً خطاطی، کتابت، جلد سازی وغیرہ۔ برصغیر میں ایسے مدارس کا ذکر بھی ملتا ہے جہاں فنی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔

v- منصبِ خلافت

اسلامی نقطۂ نظر سے انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اللہ نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ ہونے کا شرف بخشا ہے۔ اس لیے مسلمان کی زندگی کا ایک مقصد اللہ تعالیٰ کی حاکیت کا قیام ہے۔ تعلیم انسان کو اس مقصد کی ادائیگی کے لیے تیار کرتی ہے۔

vi- تسخیر کائنات

تعلیم کا ایک مقصد انسان کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ فطرت کی قوتوں اور پوشیدہ ذرائع کو انسان کی بھلائی کے لیے استعمال کر سکے۔

نصاب تعلیم

ابتدا میں اسلامی مدارس کے نصاب میں قرآن حکیم کو ہمیشہ مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ علاوہ ازیں تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ بھی اسلامی نظام تعلیم کا حصہ تھے جبکہ دیگر علوم حساب، طب، نجوم اور زراعت وغیرہ کی تحصیل اختیاری مضامین کی سی تھی۔ طلبہ کو اپنی دلچسپی کے مطابق مضامین کے انتخاب کی آزادی تھی جبکہ قرآن حکیم کی تعلیم کو مرکزی مقام حاصل رہا۔ کئی علوم قرآن پاک کی تفہیم کے لیے نصاب میں شامل ہوتے گئے۔

قرآن پاک نے سیروفی الارض اور مشاہدہ کائنات کی بار بار تاکید کی ہے۔ مشاہدہ کائنات کی تاکید سے سائنسی علوم کو ترقی ملی اور یہ نصاب کا حصہ بن گئے۔ قرآن پر اعتراضات کے جوابات دینے کے لیے فلسفیانہ علوم خاص طور پر علم الکلام وجود میں آیا۔ اسلام میں معرفت نفس کی تاکید کی گئی ہے۔ نفس کی معرفت کے تقاضے نے علم نفسیات کی شکل اختیار کی۔ قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے عربی زبان وادب کو ترقی حاصل ہوئی۔ برصغیر کے نصاب تعلیم میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اس کا جائزہ مختلف اَدوار کے حوالے سے لیا جائے گا۔

ابتدائی تعلیم کا نصاب

ابتدائی تعلیم کے نصاب میں معمولی پڑھنا لکھنا اور ابتدائی حساب سکھایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مذہب اسلام کے وہ ابتدائی اصول بھی بتائے اور یاد کرائے جاتے تھے جو ضروری ہیں۔ چونکہ اس دَور میں مسلمان عوام کی زبان عام طور پر فارسی تھی اس لیے مکاتب میں

فارسی ہی ذریعہ تعلیم تھا۔ ابتدائی تعلیم کے نصاب کا لازمی جز وکلام اللہ تھا۔ اس کے علاوہ فارسی کی کتابیں گلستان اور بوستان وغیرہ نصاب میں شامل تھیں۔ مکاتب میں عموماً مسلمان اور غیر مسلم لڑکے لڑکیاں اکٹھے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ قرآن مجید کی تعلیم مسلمان بچوں کے لیے لازمی تھی۔ ابتدائی تعلیم کی مدت متعین نہ تھی۔ طالب علم مقررہ نصاب کی تکمیل کے بعد اگلے درجہ کی تعلیم شروع کر سکتا تھا۔

ثانوی تعلیم کا نصاب

ثانوی سطح کے نصاب میں زبان وادب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ زندگی کی ضروریات سے متعلقہ مضامین مثلاً دفتری وقانونی امور کی تعلیم بھی نصاب میں شامل تھی۔ نصاب میں ادب وانشا، حساب، تاریخ، اخلاقیات، فقہ اور خوشنویسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ثانوی سطح پر فارسی زبان ذریعہ تعلیم تھی لیکن عربی زبان وادب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی تاکہ جو طالب علم اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہیں دقت محسوس نہ کریں۔ ثانوی درجہ کی تعلیم کے بعد طالب علم سرکاری ملازمت کے اہل ہوتے تھے۔

اعلیٰ تعلیم کا نصاب

اعلیٰ تعلیم کے درجے کے نصاب میں عربی زبان وادب، تفسیر، حدیث وفقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، علم الکلام، تصوف اور علم ہیئت وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اعلیٰ سطح پر عربی کو ذریعہ تعلیم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اعلیٰ تعلیم کے بعد طلبہ اپنی قابلیت کے مطابق پیشہ اختیار کرتے تھے۔ قاضی کے منصب پر فائز ہوتے یا شاہی درباروں میں مختلف عہدے حاصل کرتے تھے لیکن درس وتدریس کے پیشہ سے منسلک ہونے والوں کو اس زمانے میں سب سے زیادہ عزت حاصل ہوتی تھی۔ اعلیٰ تعلیم کے نصاب کا جائزہ لینے کے لیے برصغیر میں سلاطینِ دہلی کے زمانے سے لے کر اورنگ زیب عالم گیر تک کے زمانے کو تین اَدوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا دَور

پہلا دور مسلمانوں کے تعلیمی نظام کے آغاز سے لے کر عہد اکبری سے قبل تک کے عرصے پر محیط ہے۔ اس دور میں عربی زبان وادب، تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، کلام اور تصوف شامل نصاب تھے۔ یہ دور کوئی دو سو سال کے عرصہ پر محیط ہے۔

دوسرا دور (عہد اکبری سے درس نظامی کے آغاز تک)

پہلے دور میں سکندر لودھی کے زمانے میں فلسفہ ومنطق کی طرف رجحان ہوا تھا دوسرے دور میں اسے مزید ترقی ہوئی۔ عہد اکبری مذہبی آزادی کا دور تھا۔ اس دور میں فتح اللہؒ شیرازی اکبری دربار سے وابستہ ہوئے اور انھیں ان کے علم کی بنا پر عضدالملک کا خطاب دیا گیا۔ فتح اللہؒ شیرازی نے سابقہ نصابِ تعلیم میں کچھ اضافے کیے جنھیں مسلمان علما نے قبول کر لیا۔ دوسرا دور ان تبدیلیوں سے شروع ہوا۔ فلسفہ، منطق اور علم الکلام کی کتابوں کا نصاب میں اضافہ ہوتا رہا اور اس طرح نصاب کا منقولات سے معقولات کی طرف رجحان زیادہ ہو گیا۔ اسی دور میں ایک نئے مضمون طب کا بھی اضافہ ہوا۔

تیسرا دور (درس نظامی)

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ملا نظام الدینؒ سہالوی نے دور اکبری کے نصاب میں ترامیم اور اضافے کر کے ایک نیا نصاب تعلیم ترتیب دیا جسے ''درسِ نظامی'' کے نام سے برصغیر کے کم وبیش تمام مدارس میں رائج کیا گیا۔ اس دور میں منقولات کی بجائے معقولات کی طرف مزید جھکاؤ ہوا۔ ملا نظام الدینؒ نے نصاب میں مزید کتابوں کا اضافہ کیا۔ نصاب میں کتابوں کا یہ اضافہ بھی اسی اصول پر کیا گیا

جو فتح اللہ شیرازیؒ نے قائم کیا تھا یعنی معقولات کی کتابوں میں اضافہ کرنا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ نقلی علوم بے توجہی کا شکار ہو گئے اور انھیں اسلامی مدارس میں وہ مقام حاصل نہ رہا جس کے وہ مستحق تھے۔ ملا نظام الدینؒ نے نصابی کتب کے چناؤ کے لیے یہ اصول بنایا کہ ہر علم وفن کی مشکل سے مشکل کتاب طلبہ کے مطالعہ میں آئے۔

درس نظامی کے رائج ہونے سے نقلی علوم جس بے توجہی کا شکار ہوئے تھے اس کا ازالہ کرنے کے لیے شاہ عبدالرحیم نے مدرسہ رحیمیہ دہلی میں قرآن وحدیث کو دوبارہ نصاب میں مرکزی حیثیت دینے کی تحریک شروع کی اور ان کے بعد ان کے فرزند شاہ ولی اللہؒ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ درس نظامی کے نصاب میں جو خامیاں تھیں ان پر صحت مندانہ تنقید کرتے ہوئے قرآن وحدیث کے علم کو ترقی دی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس تحریک کے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔

درس نظامی کی خصوصیات

درس نظامی کا آغاز آج سے قریباً چار سو سال قبل اورنگ زیب کے عہد میں ہوا لیکن آج بھی یہ نصاب ہمارے بہت سے دینی مدارس میں بعض تبدیلیوں اور اضافوں کے ساتھ اپنی کئی ایک خصوصیات کی بنا پر رائج ہے۔ درس نظامی کے نصاب کی چند اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

- i- اس نصاب میں فلسفہ اور منطق وغیرہ کی نسبت قرآن وحدیث پر توجہ کم تھی۔
- ii- نصاب میں تاریخ اور جغرافیہ جیسے اہم مضامین شامل نہیں تھے۔
- iii- صرف ونحو کی کئی کتابیں نصاب میں شامل تھیں۔
- iv- درس نظامی کے نصاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قوت مطالعہ قوی ہو جاتا ہے۔
- v- درس نظامی کے نصاب میں معلومات کی وسعت کی بجائے فہم وتدبر اور سوچ وبچار پر زیادہ زور دیا گیا۔

درس نظامی کے نصاب کا جائزہ لینے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اس دور میں نصاب کو پیچیدہ اور مشکل بنا دیا گیا۔ اعلیٰ تعلیم میں منقولات کی نسبت معقولات زیادہ اہمیت اختیار کر گئے۔ یہ نصاب آج کل بھی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے لیکن ملا نظام الدینؒ کے بنائے گئے نصاب اور آج کل کے درس نظامی کے نصاب میں بہت فرق ہے۔ آج کل بہت سی ایسی کتابیں نصاب میں شامل ہیں جو ملا نظام الدینؒ کے عہد میں نہ تھیں۔ اس کے علاوہ متعدد کتابیں جو اس وقت نصاب میں شامل تھیں آج کل ختم کر دی گئی ہیں۔ ان تبدیلیوں کے باوجود درس نظامی کا نصاب جمود کا شکار ہے اور زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے رہا۔

تدریسی طریقے

تعلیم کے مختلف مدارج کے لیے درج ذیل تدریسی طریقے استعمال کیے جاتے تھے:

ابتدائی تعلیم

بچوں کو ابتدائی تعلیم مکاتب میں دی جاتی تھی۔ تعلیم کی ابتدا رسم بسم اللہ کی تقریب سے ہوتی تھی۔ جب بچہ چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہو جاتا تو بچے کو استاد کے سپرد کیا جاتا تھا۔ استاد بچے کے عزیزوں اور رشتہ داروں کی موجودگی میں بسم اللہ، سورۃ علق کی ابتدائی آیات اور سورۃ فاتحہ بچے کو پڑھاتا تھا۔ اس کے بعد بچے کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ان مکاتب میں بچوں کو

قرآن کریم، معمولی پڑھنا لکھنا اور ابتدائی حساب سکھایا جاتا تھا۔ بچوں کو حروف تہجی اور ان کی مختلف صورتوں کی پہچان کرانے کے بعد حروف کو ملا کر پڑھنے کی مشق کرائی جاتی تھی۔ حروف کی پہچان کے بعد لکھنا سکھایا جاتا تھا۔ اکبر نے اپنے دور میں لکھنا پڑھنا ایک ساتھ شروع کرنے کو رواج دیا۔ چنانچہ حروف تہجی لکھنے کے ساتھ ہی ان کی شکلیں اور نام یاد کرائے جاتے اور مسلسل مشق کے بعد بچے پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کے قابل بھی ہو جاتے تھے۔

ثانوی اور اعلیٰ درجات میں تدریسی طریقے

ثانوی اور اعلیٰ درجوں میں عام طور پر مندرجہ ذیل تدریسی طریقے رائج تھے۔

☆ تقریری طریقہ ☆ درسی کتاب کا طریقہ

☆ بحث ومباحثہ کا طریقہ ☆ گہرا مطالعہ

تقریری طریق تدریس (Lecture Method)

تقریری طریقہ بہت قدیم ہے اور ہندوستان کے قریباً تمام مدارس میں ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے یہ طریقہ رائج تھا۔ اساتذہ مضمون کے بارے میں طلبہ کو لیکچر دیتے تھے اور طلبہ اہم نکات لکھ لیتے تھے۔ استاد درس کے حلقہ میں کسی اونچے مقام یا مسند پر بیٹھتا تھا اور درس کے بعد طلبہ سوالات کے ذریعے مشکل اور پیچیدہ باتوں کو دوبارہ سمجھ لیتے تا کہ کوئی خلش باقی نہ رہے۔ معلم بھی اپنی تدریس کا جائزہ لینے کے لیے پڑھائے گئے مواد سے سوالات پوچھتے تھے۔

درسی کتاب کا طریقہ (Textbook Method)

اس طریقہ تدریس میں اساتذہ کتاب کی قرأت کرتے تھے اور طلبہ انھیں غور سے سنتے تھے۔ بعض اوقات طلبہ قرأت کرتے تھے اور استاد غلطیاں درست کرتے جاتے تھے اور عبارت کے مشکل مقامات کی تشریح بھی کرتے جاتے تھے۔ دوران قرأت اپنے شکوک رفع کرنے کے لیے اساتذہ سے سوالات بھی کرتے تھے چونکہ طلبہ پڑھائے جانے والے سبق کا باقاعدہ مطالعہ کر کے آتے تھے اس لیے ان کے سوالات بڑے جامع اور موضوع کے مطابق ہوتے تھے۔

گہرے مطالعہ کا طریقہ (Deep Study Method)

اس طریقہ میں استاد کے سبق پڑھانے سے پہلے طالب علم سبق کا خود مطالعہ کرتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ عبارت اور ترجمہ کی جانب توجہ کی جاتی، سبق میں جو نئے الفاظ آتے لغت کی مدد سے ان کے معنی دیکھے جاتے اور مطلب سمجھنے کی کوشش کی جاتی اگر ایک دفعہ مطالعہ سے مسئلہ حل نہ ہوتا تو دوسری اور تیسری بار کوشش کی جاتی اور صرف وہی مسائل اساتذہ کے سامنے پیش کیے جاتے جو طلبہ کوشش کے باوجود خود حل نہ کر سکتے تھے۔ گہرے مطالعے کا یہ طریقہ کار آج بھی اعلیٰ درجے کے سنجیدہ طلبہ کے لیے بہترین ہے۔

بحث ومباحثہ کا طریقہ (Discussion Method)

دوران تدریس سوالات اور جوابات ایک لازمی اور ضروری چیز ہے۔ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں بحث ومباحثہ کے طریقے کو ہمیشہ اہمیت دی جاتی تھی۔ اس طریقہ میں معلم پڑھانے کے لیے پوری طرح تیار ہو کر آتا تھا اور دوسری طرف طلبہ بھی محض خاموش سامع نہیں رہتے تھے۔ بلکہ پوری طرح سبق میں شرکت کرتے تھے۔ بعض اوقات سوالات وجوابات کا یہ سلسلہ مباحثہ کی شکل اختیار

کر کے گھنٹوں میں ختم ہوتا تھا۔ مشہور اساتذہ کے درس میں ہم عصر علما بھی شرکت کرتے تھے، اس طرح بحث ومباحثہ کا معیار بہت بلند ہوتا تھا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے یہ طریقہ نہایت کامیاب تھا۔

مانیٹوریل سسٹم

ہندوستان میں مسلمانوں کے نظام تعلیم میں مانیٹوریل سسٹم بھی رائج تھا۔ اس سسٹم کے تحت اعلیٰ درجے کے طالب علم اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں اپنی پڑھی ہوئی کتابیں چھوٹی جماعت کے طلبہ کو پڑھاتے تھے اور نظم ونسق کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی تھی۔ یہ طریقہ بہت کامیاب اور مفید ثابت ہوا۔ اس طریقہ سے معلم کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں آسانی ہوتی تھی اور وہ طلبہ جو پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھانے کا فرض بھی ادا کرتے تھے ان میں انتظامی صلاحیتیں پروان چڑھتی تھیں اور قابلیت میں بھی اضافہ ہوتا تھا۔

مانیٹوریل سسٹم میں بعض اوقات استاد کی تدریس کے ساتھ ہی ایک طالب علم با آواز بلند سبق دُہراتا تھا۔ مولانا شبلیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں۔ "اس زمانے میں نامور علما کے ہاں دستور تھا کہ جب وہ درس دے چکتے تو شاگردوں میں سے جو سب سے زیادہ لائق ہوتا وہ باقی طالب علموں کو دوبارہ درس دیتا تھا اور استاد کے پڑھائے ہوئے مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کراتا تھا۔ یہ منصب جس طالب علم کو حاصل ہوتا اسے "معید" کہتے تھے۔"

جائزہ

برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کے دور میں جائزے کا نظام اس قدر ترقی یافتہ نہ تھا جو آج کے دور میں پایا جاتا ہے لیکن اساتذہ تعلیمی مقاصد کے پیش نظر اپنے شاگردوں کی تعلیمی کارکردگی کا جائزہ لے کر انھیں اگلے درجے میں ترقی دیتے تھے۔ ایک درجہ پاس کرنے کے لیے کوئی خاص مدت مخصوص نہ تھی۔ ابتدائی تعلیم میں آموختہ کا طریقہ رائج تھا۔ چھوٹے بچوں کو جو سبق دیا جاتا معلم اسے سن کر اگلا سبق پڑھنے کی اجازت دیتا تھا۔

معلم ہفتہ میں ایک دن "آموختہ" سننے کے لیے مقرر کرتا تھا یعنی ابتدائی تعلیم میں جس چیز کا جائزہ لیا جاتا تھا وہ حافظہ تھا اور اس طرح یہ معلوم کیا جاتا تھا کہ بچوں نے کس قدر سبق یاد رکھا ہے۔

اعلیٰ تعلیم میں دوران تدریس سوالات وجوابات، بحث ومباحثہ اور مذاکرے ومناظرے جائزے کے مقاصد کو پورا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں امتحانات کا وہ ڈراؤنا اور تباہ کن تصور نہ تھا جو آج کل کے طریقہ امتحانات سے وابستہ ہے۔ استاد آزمائشی سوالات پوچھتا تھا جس کے ذریعے طلبہ کی قابلیت کا اندازہ ہوتا رہتا تھا۔ استاد اور شاگرد کے درمیان گہرا رشتہ رہتا تھا جو جائزہ میں بہت مفید ثابت ہوتا تھا۔ اعلیٰ درجے کی تعلیم کے اختتام پر طلبہ کو سندِ فضیلت دی جاتی تھی۔

سلاطین دہلی اور مغلیہ عہد میں سالانہ امتحانات کا طریقہ رائج نہ تھا لیکن طلبہ کی تعلیمی ترقی کی پیمائش باقاعدہ ہوتی رہتی تھی۔

جائزے کے علاوہ ہمیں برصغیر کی تعلیمی تاریخ میں رسمی امتحانات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ والئ بیجاپور محمد عادل شاہ نے سالانہ امتحانات کا طریقہ رائج کیا۔ یہ امتحانات ذی الحجہ کے مہینے میں ہوتے تھے اور اچھی کارکردگی پر طلبہ کو انعامات دیے جاتے تھے۔

برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کے عہد میں جائزے کا باقاعدہ طریقہ نہ ہونے کے باوجود، سرکاری ملازمتوں اور درباری مناصب حاصل کرنے کے لیے مقابلے کی فضا موجود تھی۔ مختلف سرکاری مناصب کے لیے امیدوار عملی طور پر اپنی قابلیت ثابت کرتے تھے۔

نظم ونسق

برصغیر میں مسلمان حکمرانوں کے عہد میں اکثر تعلیمی ادارے اہل علم ہی کی کوششوں سے قائم تھے جو اپنے طور پر یا اہل ثروت کی سرپرستی سے ان تعلیمی اداروں کا انتظام چلاتے تھے۔ بادشاہ اور حکمران طبقہ بھی ان تعلیمی اداروں کی علمی و مالی اعانت اور سرپرستی کرتا تھا لیکن ان تعلیمی اداروں کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ انھیں داخلی طور پر خود مختاری حاصل تھی۔ علما اور اساتذہ ان تعلیمی اداروں کے نصاب، طریق تدریس، طریقہ امتحانات اور دیگر امور میں آزاد تھے۔ انتظامی لحاظ سے برصغیر میں مسلمانوں کے دور میں مختلف قسم کی درس گاہیں تھیں۔ درس گاہوں کی چند قسمیں مندرجہ ذیل ہیں:

- ☆ سرکاری مدارس
- ☆ مساجد میں قائم مدارس
- ☆ خانقاہوں اور مزارات سے ملحق مدارس
- ☆ علمائے کرام کے قائم کردہ ذاتی مدارس

قدیم ہندوستان کا تعلیمی نظام داخلی طور پر آزاد اور خود مختار تھا۔ نجی اور شخصی تعلیمی ادارے تو ایک طرف، سرکاری سطح پر قائم کیے گئے مختلف تعلیمی اداروں کے نظم ونسق کی پالیسی میں بھی یکسانیت نہ تھی بلکہ ان مدارس کے علما اور اساتذہ نظم ونسق کے سلسلے میں آزاد اور خود مختار تھے۔ یعنی نظم ونسق کے سلسلے میں مرکزیت کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ مدارس میں داخلے کے لیے کسی قسم کی شرائط نہ تھیں۔ تعلیم کے لیے عمر کی کوئی پابندی نہ تھی۔ عربی مدارس میں داخلے عموماً شوال کے مہینے میں ہوتے تھے۔ اوقات تعلیم میں کوئی باقاعدگی نہ تھی۔ اعلیٰ تعلیم کے مدارس میں باہمی رابطے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس کے باوجود نصاب، طریقہ تدریس اور اوقات تعلیم میں یکسانیت پائی جاتی تھی۔ تعلیم کے مختلف درجات کے لیے مدت کا تعین نہ تھا۔ طالب علم ایک درجہ کا نصاب ختم کرنے کے بعد دوسرے درجے میں پہنچ جاتا تھا۔ طلبہ میں اساتذہ کے لیے حد درجہ احترام پایا جاتا تھا اور وہ اساتذہ کے ذاتی کام کرنے میں بھی خوشی اور راحت محسوس کرتے تھے۔ قدیم ہندوستان کے اسلامی مدارس کے نظم ونسق کا موازنہ آج کے ترقی یافتہ دور کے تعلیمی اداروں کے نظم ونسق سے کیا جائے تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ قدیم ہندوستان کے اسلامی مدارس کا نظم ونسق مثالی تھا۔ نظم ونسق کے مثالی ہونے کی سب سے بڑی وجہ طلبہ کے دل میں اساتذہ اور علم کا احترام تھا۔

انگریز کی آمد سے قبل برصغیر میں مسلمانوں کے دور کی علمی سرگرمیوں کے مطالعہ سے چند اہم خصوصیات ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ہر مسجد ابتدائی تعلیم کے مرکز کے طور پر کام کرتی تھی۔ تعلیمی سہولتیں یونیورسل تھیں اور مفت فراہم کی جاتی تھیں۔ مفت رہائش کے علاوہ طلبہ کو وظائف بھی دیے جاتے تھے۔ مقصد تعلیم رضائے الٰہی اور نیابت الٰہی کا حصول تھا۔ انگریز کی حکومت قائم ہونے کے بعد تعلیم کا مقصد سرکاری ملازمت کے لیے تیاری اور روزگار کا حصول قرار پایا۔ مسجدیں تعلیم کا مرکز نہ رہیں۔ محدود تعداد میں سکول کھولے گئے جس کے نتیجہ میں تعلیم محدود ہوگئی اور یونیورسل نہ رہی۔

مسلمانوں کے دور میں نظام تعلیم عوامی اور آزاد تھا۔ حکمران اپنا فرض سمجھتے ہوئے تعلیم کی ترقی پر بے پناہ رقم خرچ کرتے تھے مگر ان کے انتظامی معاملات اور نصاب میں قطعاً مداخلت نہیں کرتے تھے لیکن انگریزوں نے برسر اقتدار آتے ہی بلا تفریق مذہب سیکولر بنیادوں پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے یکساں نظام تعلیم رائج کیا تا کہ ایک مخصوص ذہنیت پیدا کی جا سکے جس سے مغربی افکار کی اشاعت ممکن ہو جائے۔

انگریزی دور میں اُردو اور فارسی کی جگہ انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا اور مخلوط تعلیم کو رواج دیا گیا اور مجموعی تعلیمی ماحول ایسا بنا دیا گیا کہ مسلمان جو پچاس فیصد سے زیادہ تعلیم یافتہ تھے ان میں خواندگی کی شرح کم ہوتے ہوتے پاکستان کے قیام تک 20 فیصد کی سطح سے بھی نیچے آ چکی تھی۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے پاکستان بے شمار قدرتی ذرائع اور وسائل کے باوجود معاشی اور معاشرتی طور پر دنیا میں بہت پست مقام تک پہنچ چکا ہے۔ معاشی اور معاشرتی بہتری اور ملکی ذرائع اور وسائل سے فائدہ اٹھانے کے لیے آزادانہ اور یونیورسل ایجوکیشن بہت ضروری ہے۔

اہم نکات

1- مسلمانوں کے نظام تعلیم میں مکتب و مدرسہ کا کردار بڑا اہم رہا ہے۔

2- تعلیم کے مختلف مدارج کے لیے مختلف تدریسی طریقے رائج تھے جن میں تقریری طریقہ (Lecture Method)، درسی کتاب کا طریقہ (Textbook Method)، بحث و مباحثہ کا طریقہ (Discussion Method)، گہرا مطالعہ کا طریقہ (Deep Study Method) شامل ہیں۔

3- برصغیر میں مسلمانوں کے مدارس کا انتظام مختلف اداروں کے پاس تھا جیسے سرکاری مدارس اور خانقاہوں سے ملحق مدارس وغیرہ۔

4- امام الغزالیؒ کے نزدیک حقیقت تک رسائی تعلیم کے بغیر ممکن نہیں۔ وحی کے ذریعے حاصل کیا ہوا علم سچا اور حقیقی ہے۔

5- ابن خلدون کے خیال کے مطابق حصول تعلیم بھی فطرت انسانی کا ایک تقاضا ہے۔ انسانی فطرت میں سیکھنے کی صلاحیت ہی تعلیم کی بنیاد ہے۔

6- ابن سینا عقل اور منطقی استدلال کو علم کے حصول کا صحیح ترین ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ عقل ہی حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل کردہ معلومات کو منظم صورت میں پیش کرتا ہے۔

7- علامہ زرنوجی نے رضائے الٰہی کے حصول اور آخرت میں کامیابی کو تعلیم کے حصول کا سب سے بڑا مقصد قرار دیا ہے۔ وہ نصاب میں قرآن، حدیث، فقہ و اصول اور طب جیسے مضامین شامل کرتے ہیں۔

آزمائشی مشق (حصہ معروضی)

I- ہر بیان کے ساتھ چار جوابات دیے گئے۔ صحیح جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:

i- انسانی تعلیم کا آغاز ہوا:

ا۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے — ب۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے

ج۔ حضرت نوحؑ کی پیدائش سے — د۔ حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش سے

ii- مکتب اور مدرسہ کے ذریعہ تعلیم کا آغاز کیا:

ا۔ مسلمانوں — ب۔ یہودیوں — ج۔ عیسائیوں — د۔ ہندوؤں

iii- یورپ کی یونیورسٹیوں میں مسلمانوں کا تیار کردہ نصاب پڑھایا جاتا رہا:

ا۔ پندرھویں صدی تک — ب۔ سولھویں صدی تک

ج۔ سترھویں صدی تک د۔ اٹھارھویں صدی تک

iv- اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کا حکم صادر فرمایا:

ا۔ پہلی وحی میں ب۔ دوسری وحی میں ج۔ تیسری وحی میں د۔ چوتھی وحی میں

v- اسلامی مدارس کے نصاب میں ہمیشہ مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے:

ا۔ طب کو ب۔ ریاضی کو ج۔ زراعت کو د۔ قرآن کو

vi- برصغیر کے مکاتب میں ذریعہ تعلیم تھا:

ا۔ عربی ب۔ فارسی ج۔ ہندی د۔ سنسکرت

vii- برصغیر میں ابتدائی تعلیم کی مدت تھی:

ا۔ چار سال ب۔ پانچ سال ج۔ چھ سال د۔ غیر معینہ

viii- درس نظامی کا نصاب ترتیب دیا:

ا۔ اورنگ زیب نے ب۔ ملا نظام الدین ؒ سہالوی نے ج۔ شاہ ولی اللہ ؒ نے د۔ فتح اللہ ؒ شیرازی نے

ix- درس نظامی کے نصاب میں معلومات کی وسعت کی بجائے زیادہ زور دیا گیا:

ا۔ قرآن پر ب۔ حدیث پر ج۔ ریاضی پر د۔ فلسفہ و منطق پر

x- برصغیر میں بچوں کو مکاتب میں داخل کیا جاتا تھا:

ا۔ چار سال چار ماہ کی عمر میں ب۔ پانچ سال چار ماہ کی عمر میں

ج۔ چھ سال چار ماہ کی عمر میں د۔ سات سال چار ماہ کی عمر میں

II- درج ذیل میں خالی جگہ مناسب الفاظ سے پُر کریں:

i- اسلامی تاریخ میں .... کو پہلے باقاعدہ مدرسہ کی حیثیت حاصل ہے۔

ii- مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں .... تک طلبہ کے ایک ہی وقت میں قیام پذیر ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

iii- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت .... کے گھر سے صحابہ کرام ؓ کو تعلیم دینے کی ابتدا کی۔

iv- حضرت .... نے باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے علما اور اساتذہ کی تنخواہیں مقرر فرمائیں۔

v- امام غزالی ؒ نظامیہ بغداد کے .... مقرر ہوئے۔

vi- ابتدائی تعلیم کے مدارس کے لیے .... کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔

vii- مستنصر باللہ نے 1233ء میں اعلیٰ درجے کی ایک درسگاہ بنوائی جسے جامعہ .... کہتے تھے۔

viii- دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی .... ہے۔

ix- علاؤالدین خلجی اور اکبر جو خود عالم نہ تھے وہ بھی.................. کے فروغ میں بہت فراخ دل تھے۔

x- اسلامی مقاصد.................. میں تعمیر سیرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

III- صحیح بیان کی صورت میں "ص" اور غلط بیان کی صورت میں "غ" کے گرد دائرہ لگائیے:

i- جامعہ ازہر چھٹی صدی عیسوی میں قاہرہ میں قائم ہوئی۔ ص/غ

ii- برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے وقت تعلیم و تعلم پر صرف برہمن کی اجارہ داری تھی۔ ص/غ

iii- برصغیر کے مسلمان حکمران عموماً خود بڑے عالم اور فاضل تھے۔ ص/غ

iv- انگریزوں نے برصغیر پر قابض ہونے کے بعد مسلمانوں کے نظام تعلیم کو بہت ترقی دی۔ ص/غ

v- تعلیم کے ذریعے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی نشوونما ممکن نہیں۔ ص/غ

vi- قرآن پاک پر اعتراضات کے جوابات دینے کے لیے فلسفیانہ علوم خاص طور پر علم الکلام وجود میں آیا۔ ص/غ

vii- برصغیر میں معمولی پڑھنا لکھنا اور ابتدائی حساب ابتدائی تعلیم کے دوران سکھایا جاتا تھا۔ ص/غ

viii- برصغیر کے مکاتب میں عموماً مسلمان اور غیر مسلم لڑکے اور لڑکیاں الگ الگ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ص/غ

ix- برصغیر میں ابتدائی تعلیم کی مدت متعین نہ تھی۔ ص/غ

x- درس نظامی میں معقولات کی بجائے منقولات کی طرف زیادہ جھکاؤ ہوا۔ ص/غ

IV- کالم (ا) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جواب کالم (ج) میں لکھیں:

	کالم (ا)	کال (ب)	کالم (ج)
i-	ملا نظام الدین سہالوی نے ایک نیا نصاب ترتیب دیا۔	قرآن پاک نے	
ii-	اس سسٹم کے تحت اعلیٰ درجات کے طالب علم زمانہ طالب علمی ہی میں اپنی پڑھی ہوئی کتابیں چھوٹی جماعت کے طلبہ کو پڑھاتے تھے۔	حضرت آدمؑ	
iii-	سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ اور مشاہدہ کائنات کی بار بار تاکید کی ہے۔	درس نظامی	
iv-	ان کا نظریہ تھا کہ انسان سیکھنے پر مجبور ہے۔	ابن خلدون	
v-	ان کا خیال ہے کہ تعلیم کا آغاز مادری زبان سے کیا جائے۔	ابن سینا	
vi-	آپ کی تصانیف کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔	ابن خلدون	
vii-	آپ نے طلبہ کی رہنمائی کے لیے "تعلیم المتعلم" لکھی۔	علامہ زرنوجی	
viii-	اللہ تعالیٰ نے ان کو اشیا کے استعمال کا سائنسی علم سکھایا۔	مکاتب	
ix-	ان میں ابتدائی تعلیم کا بندوبست کیا جاتا تھا۔	مدارس	
x-		مانیٹوریل سسٹم	

V- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات لکھیے:

i- مکتب اور مدارس کا نظام تعلیم کیا تھا؟

ii- جامعات سے کیا مراد ہے؟

iii- برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے وقت تعلیمی حالت کیا تھی؟

iv- برصغیر میں مسلمانوں کے عہد حکومت میں مقاصد تعلیم کیا تھے؟

v- مسلمانوں کے عہد حکومت میں برصغیر کا ابتدائی تعلیم کا نصاب کیا تھا؟

vi- مسلمانوں کے عہد حکومت میں برصغیر کا ثانوی تعلیم کا نصاب کیا تھا؟

vii- مسلمانوں کے عہد حکومت میں برصغیر کا اعلیٰ تعلیم کا نصاب کیا تھا؟

viii- درس نظامی کی خصوصیات لکھیے۔

ix- مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے:

ا۔ گہرے مطالعہ کا طریقہ　　ب۔ بحث ومباحثہ کا طریقہ　　ج۔ مانیٹوریل سسٹم

x- مسلمانوں کے نظام تعلیم میں قرآن کو ہمیشہ مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔نوٹ لکھیے۔

xi- فرض عین اور فرض کفایہ کے بارے میں امام غزالیؒ کے خیالات کی وضاحت فرمائیں۔

xii- نقلی علوم اور عقلی علوم سے علامہ ابن خلدون کیا مراد لیتے ہیں؟

xiii- ''تعلیم انسان کی طبعی ضرورت ہے۔'' علامہ ابن خلدون کی اس سے کیا مراد ہے؟

xiv- ابن سینا نے علوم کو کون سے تین مدارج میں تقسیم کیا ہے؟

انشائیہ حصہ

VI- مسلمانوں کے عہد میں برصغیر میں جو تدریسی طریقے استعمال ہوتے تھے، ان پر نوٹ لکھیے۔

VII- برصغیر میں مسلم دور میں تعلیم کے مختلف مدارج کی تفصیل لکھیے۔

VIII- علامہ زرنوجی نے تعلیم المتعلم میں طلبہ اور اساتذہ کے لیے کیا ہدایات دی ہیں؟

IX- امام غزالیؒ کی تعلیمی فکر پر روشنی ڈالیے۔

X- ابن خلدون کی تعلیمی فکر کیا تھی؟ آج اس سے کیا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؟

XI- ثابت کیجیے کہ ابن سینا ایک مفکر تعلیم تھے۔